

فہقی اجتہاد اور نصوص و مصالح

مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ احسن صاحب نے عکویٰ

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ میں ”دربار عالمگیری“ کے عنوان سے قسط دار مضامین شائع ہوئے ہیں، یہ چند صوفی قسط کا مضمون ہے جو الفرقان سے شکوے کے ساتھ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ مدیر

صحابہ کا اسی پر عمل درآمد رہا کہ علماء صحابہ ایسے موقع پر جمع کر لئے جاتے اور ان سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کیا جاتا۔ اس طرح گویا ”اجماع“ بھی اصول شریعت میں سے ایک اصل سمجھی جانے لگی۔ اسی کے لگ جگ شریع (قانون سازی) کے سلسلے میں ”تعالیٰ اہل مدینہ“ کو بھی حجت بننے میں دخل رہا، اور مسائل کو حل کرنے میں اس سے بھی استمدال کیا گیا۔ اس لئے کہ صحابہ (اہل مدینہ) مقتضیات احوال، ناسخ و منسوخ اور فتویٰ حالیہ سے زیادہ واقف تھے۔

اس امر کا اظہار اس عمل پر بے موقع نہیں کہ نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کے برقرار رہتے ہوئے بعض ان احکام میں جو ان نصوص سے استخراج کئے گئے ہوں، مجتہدین امت کے لئے یہ گنجائش تسلیم کی گئی ہے کہ وہ زبانی کے اقتضاء کے مطابق ان میں تغیر کر دیں، اور تغیر احوال کے مطابق فتویٰ بدل دیں۔ چنانچہ حافظ ابن قیم نے اپنی مشہور کتاب ”اعلام الموقعین“ میں :-

فصل فی تغیر الفتویٰ واختلافها
تغیر زمانہ اور اختلاف مکانی کے مطابق فتوے کے
بموجب تغیر الزمانہ والامکنۃ لہ
بدل جانے اور مختلف ہونے کا باب (CHAPTER)

کے تحت اس پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ باغ کے درختوں میں ابھی پھل نمودار نہیں ہوئے ان کی بیج نسا جانز نہیں کیوں کہ یہ ایک نامعلوم اور مجہول چیز کی بیج ہے، لیکن بعض بلاد و امصار کے علماء اور اہل فتویٰ نے اگر کچھ پھل بکھے

ہوں اور کچھ نہ بچے ہوں اس قسم کی بیع کو جائز رکھا ہے اور شمس الائمۃ حلوانی نے اس قسم کی معاملات کو ناجائز نہیں قرار دیا۔ چنانچہ ڈاکٹر احمد امین نے اپنی کتاب ضعیفی الاسلام میں لکھا ہے:-

ومن امثلة ذلك ايضا اجازة بعضهم
بيع شمار البستان اذا كان بعضها
قد خرج وبعضها لم يخرج لان
العرف جرى بذلك -
اس کی مثالوں میں سے ایک مثال بعض علماء
کا باغوں کے پھلوں کی بیع جائز رکھنا ہے جب
کہ کچھ بچے ہوں اور کچھ نہ بچے ہوں اس لئے
کہ مقامی عرف یہی تھا۔

پھر لکھتے ہیں:-

وقال شمس الائمة استحسن ذلك
لتعامل الناس فانهم تعاملوا بيع
شمار الكرم بهذه الصفة ولم يفتي
ذلك عادة ظاهرة وفي نزاع الناس
من عاداتهم حرج -
شمس الائمۃ نے فرمایا میں اس کو بُرا نہیں سمجھتا
اس لئے کہ وہاں کے لوگوں کا اس پر عمل درآمد
تھا اس لئے وہ لوگ انکو ہر کی بیع اس شکل میں
کرتے چلے آئے تھے اور لوگوں کو ان کی روش
سے ہٹانے میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ اس مسئلہ میں کہ کسی چیز کی بیع کرنے میں کون کون اور دوسری چیزیں خصوصاً بیع مکان کے معاط
میں داخل ہوتی ہیں اور کون کون چیزیں داخل نہیں ہوتیں۔ مصر کے علماء نے فتویٰ دیا تھا کہ اگر کوئی اپنا گھر کسی
کے ہاتھ فروخت کرے تو چونکہ قاہرہ میں مکانات علی العموم کسی طبقات کے ہوتے ہیں۔ اس لئے پڑھنے اُترنے
کے لئے اگر وہاں کوئی علیحدہ سے میٹھی موجود ہے تو بیع مکان میں اس کو بھی شامل سمجھا جائے گا خواہ بیع کرتے
وقت اس کا ذکر کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ لیکن جہاں مکانات میں بالاخانے وغیرہ نہیں ہوتے وہاں اگر گھر
میں بانس، لکڑی یا لوہے کی میٹھی ہے تو وہ گھر کی بیع میں شامل نہ ہوگی اور مشتری بلا ذکر اور شرط اس کا حق دار
نہ ہوگا۔

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ علماء اور مفتیوں کے اس طرح کے فتوے دینے میں نص قرآن اور نص حدیث
دونوں کا نسخ مجتہدین کی رائے سے لازم آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مجتہدین نے نصوص کو اپنی جگہ برقرار
رکھا ہے اس لئے کہ ان کا نسخ ان کے دائرہ اختیار سے خارج تھا، لیکن اس نص سے جو حکم منتشرع ہوا تھا
۱۔ ضعیفی الاسلام جز ثلث ص ۲۳۹ ۲۔ رسائل شمس الائمۃ جلد ۲ ص ۱۱۱ ۳۔ ضعیفی الاسلام جز ثلث ص ۲۳۹۔

اس کو مصالح پر نظر کر کے بدل دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصارف صدقات سے مؤلفۃ القلوب کے مصرف کو اپنے دورِ خلافت میں موقوف کر دیا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک اس مصرف کا نفاذ اس وقت کے مناسب تھا جب اسلام ابتدائی مرحلہ میں اشغال اور ضعف کے ساتھ ترقی پذیر تھا اور اس وقت کا اقتضا تھا کہ مظنون مشر و غنہ سے بچے رہنے کی تدابیر کی جائیں اور جب اسلام کو شوکت اور دبدبہ حاصل ہو گیا اس وقت اس کی احتیاج نہ رہی۔ ظاہر ہے کہ اس شکل میں نص قرآنی کی منسوخت اختیار سے باہر تھی۔ لیکن زمانہ کے بدلنے کے ساتھ حکم میں تبدیلی کر دی گئی، اس کو نص کا نسخ نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ خاص حالات میں نص کے نفاذ اور عدم نفاذ کے بارہ میں حضرت فاروق اعظم کا یہ ایک فیصلہ تھا۔

اسی طرح سارق کی سزا قطع ید ایک نص قرآنی ہے لیکن اگر درودہ آجائے کہ لوگ قحط اور غلہ کی نایابی کی وجہ سے بھوکے مرنے لگیں تو سرقہ کے ارتکاب کی صورت میں بجائے ہاتھ کاٹ ڈالنے کے تعزیراً اس کو دوسری سزاؤں کے دینے پر اکتفا کیا :-

معتبران السرقة ريبها كان	ان کے پیش نظر یہ بات رہی کہ ایسے حالات
بيندفع اليها السارقون حينذاك	میں بسا اوقات چرانے والے بھوک کے مجبوری
بدافع الضرورة لا بدافع الاجرام	سے اور مضطر ہو کر چراتے ہیں، ان میں ارتکاب
وفي ذلك شبهته في الجرم	جرم کا داعیہ نہیں ہوتا، کم از کم ان کا جرم
على الاقل والمحدود تندرج	کی نیت سے کرنا مشتبہ تو ہو ہی جاتا ہے،
بالشبهات ۵	اور قاعدہ ہے کہ حدود میں مجرم کو شبہ کا فائدہ
	دے کر حدود ساقط کر دی جاتی ہیں۔

اسی طرح حالات زمانہ کے بدلنے سے احکام کے بدل جانے کی ایک اور واضح مثال اور نظیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عراق، مصر اور شام کی زمینوں کا مجاہدین پر تقسیم نہ کرنے کا فیصلہ ہے، جب کہ نص قرآنی اور حدیث سے آں حضرت صے اللہ علیہ وسلم کا عمل بظاہر اس کے خلاف تھا۔ نص قرآنی کا مفاد یہ ہے کہ ملک فتح کرنے کے بعد مال غنیمت اور زمین کا ۱/۵ حصہ بیت المال میں جمع کیا جائے اور بقیہ کو فاتحین پر تقسیم کر دیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی یہی رہا۔ جب خیبر کی سرزمین فتح ہوئی تو ۱/۵ حصہ

بیت المال کے لئے مکانے کے بعد آپ نے بقیہ کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا اور یہ ارشاد خداوندی:-

واعلموا ان ما غنمتم من شئی فان لله خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتامی
والمساکین و ابن السبیل -

کے عین مطابق تھا۔ چنانچہ مجاہدین ان ممالک کے فتح ہونے پر اسی توقع کو لئے کہ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنی عرضداشت پیش کی۔ حضرت عمرؓ نے جو جواب دیا وہ یہ ہے:-

” دیکھو جب بعد کو مسلمان اس سرزمین پر قدم رکھیں گے تو انہیں یہ منظر نظر آئے گا کہ وہاں کی کل زمین کے حصے بخرے کئے جا چکے اور لوگ درانتہ اس کے مالک بنے بیٹھے ہیں اور آرام کر رہے ہیں۔ میں اس کو روا نہیں رکھ سکتا، اس پر عبدالرحمان بن عوف نے بڑھ کر پوچھا کہ پھر آپ کی رائے کیا ہے؟ کیا یہ زمین وغیرہ مجاہدین کے لئے عطا، خداوندی نہیں ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بات وہی ہے جو تم کہتے ہو لیکن اس معاملے میں میری رائے یہ نہیں ہوئی اس لئے کہ آئندہ فتوحات علی میں مسلمانوں کو کوئی بڑا مادی نفع نہیں ہوگا بلکہ کسی سرزمین کا رکھ رکھاؤ ہی ان کے لئے ایک وبال جان بن جائے گا۔ جب زمین اور کاشت کاروں کی یوں تقسیم کر دی گئی تو حکومت اسلامیہ کے لئے ذریعہ آمدنی کیا ہوگا جس سے آئندہ سرحدوں کی حفاظت، دشمنوں کی مدافعت، بیواؤں اور یتیموں کی دیکھ بھال ہو سکے۔“

بہر کیف حضرت عمرؓ سے بہت کچھ لوگوں نے اصرار کیا اور یہ کہنے لگے کہ ہماری تلواروں کی بدولت ہیں جو کچھ مل رہا ہے اس سے آپ ہمیں محروم کر دینا چاہتے ہیں اور ہم کو چھوڑ کے آپ کے لمحوہ خاطر وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبرد آزمائی کے موقع پر نہ تلوار ہاتھ میں لی اور نہ میدان جنگ میں حاضر ہوئے۔ آپ کے پیش نظر آئندہ آنے والی نسلیں ہیں، ہمارا حق آپ نے پس پشت ڈال دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: بہر حال یہ میری رائے ہے۔ لوگوں نے کہا یہ آپ کی رائے ہے تو آپ اس معاملہ میں اور بزرگوں اور لوگوں سے بھی مشورہ کر لیں۔

چنانچہ آپ نے مہاجرین، اہلین کو بلایا اور ان سے مشورہ کیا۔ اس میں بھی اختلافِ آزاد ہوا۔ عبدالرحمن بن عوف کی وہی سابق رائے تھی لیکن حضرت عثمان، طلحہ اور ابن عمرؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید کی۔ پھر آپ نے دس سرمد آوردہ انصار کو بلا کے ایک میٹنگ کی جس میں آپ نے سب سے پہلے یوں مخاطب کیا:-

” میں نے جو آپ کو زحمت دی اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ لوگ بار امانت میں اور ان معاملات

میں جو آپ نے مجھے تفویض کر دیئے ہیں میرے شریک ہوں، میں بھی آپ کا ہی ایک فسرد ہوں۔
 مخالفین اور موافقتیں ہو چکیں۔ اب آپ حق شناسی سے کام لیں۔ میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ آپ
 خواہ مخواہ میرا ساتھ ہی دیں۔ کتاب اللہ آپ کے پاس ہے وہ خود حق کا اظہار کر دے گی۔ بخدا میں
 نے اگر اپنا مطلع نظر ظاہر کیا تو وہ بھی ماسی سے اخذ کر کے ۛ

اس پر سب نے یک زبان ہو کر کہا آپ کچھ فرماتے کہ ہم بھی سن لیتے، چناں چہ آپ نے فرمایا کہ،
 تم نے ان لوگوں کی باتیں سن لیں جو یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اس معاملے میں میں ان پر ظلم کر رہا ہوں
 اور ان کی حق تلفی کے درپے ہوں۔ العیاذ باللہ میں اور ظلم؟ میری بدسختی ہوگی اگر میں ان کا
 حق مار کے دوسروں کو دے دوں، میرے ذہن میں تو یہ بات آئی کہ ملک فارس (کسرٹی) کے
 فتح کے بعد اتنی بڑی سرزمین اور کون فتح کرنے کو باقی ہے، اللہ تعالیٰ نے بطور عنایت ان کے
 اموال اور زمینوں وغیرہ پر ہم کو تسلط دیا تو اموال منقولہ تو میں نے ان پر ہی تقسیم کر دیئے، جس
 کو جس کے مقصد و مصرف میں لے لیا، اب رہ گئی یہاں کی زمین اور کاشت کار، اُس کو اپنے
 قبضہ میں رکھ کے میں نے یہ ترکیب کی کہ یہ انہیں کے سپرد کر دی جائے اور اس کے بدلہ میں ان
 سے خراج اور جزیہ لیا جائے جو مجاہدین اور ان کی اولاد اور اولاد کے کام آتی رہے۔ بہر حال ان
 محاذوں کا مستقل فوجوں کے قیام کے ذریعہ تحفظ بھی ضروری ہے، آخر یہ بڑے بڑے شام،
 کوئٹہ، بصرہ اور مصر جیسے شہروں میں فوجیں رکھنا اور ان کے رکھ رکھاؤ کے اخراجات ناگزیر
 ہی ہیں۔ اگر یہ زمینیں میں فاتحین اور مجاہدین کو بانٹ دوں تو ان کو آرزو نہ دینے اور ان
 کے رکھ رکھاؤ کے لئے آمدنی کہاں سے آئے گی ۛ

حضرت عمرؓ کی یہ تقریر سن کر سب نے آپ کی رائے کی تائید کی اور کہا کہ واقعی اگر یہاں فوجیں نہ
 رہیں اور ان کے رکھ رکھاؤ کے لوازمات پورے نہ ہو سکے تو دشمنان اسلام ان شہروں پر پھر قابض ہو جائیں گے
 چنانچہ زمین کی مساحت دہپائش کر کے اس کا انتظام کیا گیا۔ اور بات ختم ہوئی۔

بہر کیف اس واقعہ کو اس تفصیل سے بیان کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ وہاں کی زمینیں حضرت عمرؓ
 نے وہاں کے باشندوں ہی کی سپردگی میں دے کے ان سے خراج وصول کرنے کا انتظام کیا اور مجاہدین فاتحین
 پر تقسیم نہ کیں اور حضرت عمرؓ نے اپنی خدا داد قوت اجتہاد سے نقل قرآنی اور حدیث نبوی کا محل اور منشاء

ظاہر کر دیا اور یہ سبق بھی دے دیا کہ نصوص کو ہمیشہ مقاصد شریعت اور عامۃ الناس کی فلاح اور بہبود کی روشنی میں دیکھ کے اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

یہ بات واضح رہے کہ حضرت عمرؓ کے اس فعل میں حاشا ثام حاشا سنت نبوی کی مخالفت نہیں نہ تھی۔ بلکہ دوسری آیات قرآنیہ کو سامنے رکھ کے مصالح عامہ کی روشنی میں ایک قسم کا عمل درآمد تھا۔ یہ صحیح ہے کہ خیر کی آراضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین پر تقسیم کر دی تھی، اس وقت مصالح وقتی کا تقاضا یہی تھا کہ یہ مجاہدین اپنا گھر بار، مال و متاع چھوڑ کے مکہ سے آئے تھے اور اب حضرت عمرؓ نے اس طرح تقسیم نہیں کی، اب مصلحت وقتی اسی کی مقتضی تھی۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف لکھتے ہیں:-

والذی رآئنی عمر رضی اللہ عنہ من	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ جو رائے ہوئی کہ
الامتناع من قسمة الارضین بین من	زمینوں کو فاتحین پر تقسیم نہ کیا جائے یہ اس وقت
افتتحھا عند ما عرفہ اللہ ما کان فی	جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس مسئلہ کی اپنی
کتابہ من بیان ذلک توفیقاً من اللہ	کتاب سے سمجھنے کی توفیق عطا فرمادی، اس
کان لہ فیما صنع وفیہ کانت الخیرة	میں آپ کے مد نظر عامہ مسلمین کی خیر خواہی
لجميع المسلمين وفيما آراه من جمع خراج	کا جذبہ تھا اور اس ذریعہ سے خراج جمع کر کے
ذلک وقسمته بین المسلمین عموم النفع لجماعتهم	اسے مسلمانوں میں تقسیم کرنے کی جو رائے ہوئی
لان هذا لو لم یکن موقوفاً علی الناس	یہ عامہ نفع مسلمین کی نفع رسانی کے لئے تھی
فی الاعطیات والامر ذاق لم	اس لئے کہ لوگوں کو داد و دیش اور آذوقوں
تشحن الثغور ولم تقو الجیوش	میں اگر ایسا نہ کیا گیا ہوتا تو سرحدوں پر فورس نہ
علی السیر فی الجہاد	ہوتی اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے لشکر مسلح
	اور طاقت ورنہ ہوتے۔

یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک کثیر تعداد چھوڑی تھی، زمانہ اور وقت کے لحاظ سے جب نئے نئے مسائل پیش آئے تو لوگوں نے انہیں کی طرف رجوع کیا۔ مختلف دیار و اعمار میں یہ پھیلے اور رفتہ رفتہ ان کے شاگردوں کی ایک تعداد وجود میں آئی، مدینہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کرام بھی تھے۔

۴ کتاب الخراج، قاضی ابو یوسف ج۔

زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر، وغیرہم کے شاگرد نافع، عروہ بن زبیر وغیرہ وغیرہ، مکہ میں عبداللہ بن عباس کے شاگردوں میں عکرمہ مجاہد جیسی شخصیتیں، مصر میں عبداللہ بن عمرو کے شاگردوں میں زید بن حبیب وغیرہ قابل ذکر ہیں، ان شاگردوں کے استدلال کے طریقے وہی تھے جو ان کے اساتذوں کے، لیکن ان کے استدلال کے اصول و ضوابط غیر منضبط اور غیر مرتب ہی رہے، دوسری صدی میں جا کے اجتہاد اور استخراج مسائل کے اصول فی الجملہ مرتب ہوئے، امام مالک مدینہ میں، امام ابوحنیفہ عراق میں، امام شافعی، امام اوزاعی، اور لیث بن سعد مصر اور شام میں مقضائے زمانہ اور مکان کے مطابق فتوے دیتے رہے۔ اگرچہ یہ ایک دوسرے کے معاصر نہ تھے، لیکن تھے دوسری ہی صدی میں، ان مجتہدین نے اصول اور ضوابط کے تحت فتوے دیئے۔

تیسری صدی کے اواخر اور چوتھی صدی کے شروع میں فقہاء کے بادی النظر میں دو گروہ ہو گئے، ایک نے متقدمین کے اصول اپنائے اور دوسرے نے مجرد تقلید کی جگہ کچھ اپنے اصول بھی مرتب کئے۔ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں قاضی ابویوسف، امام محمد، زفر اور حسن بن زیاد۔ امام مالک کے شاگردوں میں ابن نافع،

ابن الماجشون۔ امام شافعی کے تلامذہ میں بوعلی، مزنی وغیرہا نے اپنے اپنے اسانذہ کے اصول اپنائے اور انہیں کے تحت مسائل حاضرہ کا استخراج کیا جنہوں نے ان اصولوں کی تقلید نہیں کی ان میں امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری کے نام عنوان میں لے جا سکتے ہیں۔ ان کے بعد جو علماء پیدا ہوئے انہوں نے تیسری اور چوتھی صدی کے مجتہدین کے اصول کی روشنی میں فتاویٰ دیئے۔ اور اغلب یہ ہے کہ چوتھی صدی کے بعد اجتہاد حق کا باب بالکل مسدود ہو گیا تھا۔ بعد کو جب تقلید کا دور شروع ہوا اور کسی نے اصول میں اور کسی نے فروع میں تقلید شروع کی، اصول میں تقلید کرنے والے شاگردوں میں اپنے اسانذہ سے اختلاف آرا بھی رکھا گیا۔ چوتھی صدی کے نصف آخر اور پانچویں کے اوائل میں جو ائمہ پیدا ہوئے انہوں نے عموماً اقوال

جمع کئے اور اختلافات اور اتفاقات کی چھان بین کی، اس سلسلہ میں طحاوی اور کرخی احناف میں اور ابن ابی یزید مالکیہ میں مروزی ابن اسحاق شافعیہ میں حنابلہ میں الخرقی ہوئے ہیں۔ چھٹی اور ساتویں صدی میں جو ائمہ ہوئے انہوں نے اپنے حلقہ کے مختلف مکاتب فکر سامنے رکھ کر رائیں قائم کیں اور اسلاف ائمہ کی رالیوں میں جو رائے ان کو زیادہ مناسب معلوم ہوئی اس پر عمل درآمد کیا اور اسی کے موافق فتاویٰ دیئے۔ اس فہرست میں کاشانی قاضی خان اور مرغنیانی وغیرہ وغیرہ کے نام آتے ہیں، ساتویں اور آٹھویں صدی میں مرتبین فتاویٰ کے مختلف انداز رہے کسی نے راجح اقوال جمع کئے، کسی نے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد

راج قول کے دلائل نقل کر دیئے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پانچویں صدی میں ایک جماعت پیدا ہو گئی تھی جس نے تقلید کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے قاضی ابو بکر اندلسی جو چھٹی صدی میں ہوئے، انہوں نے کتاب العواصم من القواصم اسی موضوع پر لکھی، چھٹی صدی ہی میں ابن رشد، ساتویں میں عزالدین ابن عبدالسلام، تھی الدین ابن دقتی العید نے اگرچہ تقلید کی کھلے بندوں مخالفت تو نہیں کی تاہم اجتہاد کے میدان کو وسیع تر ضرور کر دیا۔ پھر علامہ ابن تیمیہ نے تقلید کو رات پر سخت سے سخت تنقید کی اور اس کے بعد ان کے شاگرد علامہ ابن قیم نے اس کی تائید اور تردید و اشاعت میں زور قلم صرف کر دیا، مصر میں ابن حجر عسقلانی اور ان کے شاگردوں نے بھی کسی حد تک اپنے اجتہاد کے بل پر فتوے دیئے، یہاں تک کہ ان کے ایک شاگرد جلال الدین سیوطی نے یہاں تک کہہ دیا کہ:۔

”اجتہاد ہر زمانہ میں فرض ہے“

دسویں اور گیارھویں صدی میں اس میں کوئی شک نہیں کہ فقہاء نے بڑے بڑے کام کئے اور خاص خاص نقاط نظر کو سامنے رکھ کے کتابیں اور فتاویٰ مرتب کئے جن میں خصوصیت کے ساتھ تیسرے صدی کے فتاویٰ اور سلطان عالم گیر اور نگ زیب کے جمع کرائے ہوئے مافی الموضوع فتاویٰ ہندیہ، بارھویں اور تیرھویں صدی میں بھی فقہ اسلامی کے سلسلے سے بڑے بڑے کام ہوئے، اور ان میں دو ہستیاں شاہ ولی اللہ دہلوی اور محمد بن علی شوکانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

